ہفت تماشائے مرزا قتیل

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب اُستاذ جامعہ ملّیہ اسلامیہ نئی دہلی

سیتلا اُنھیں امور میں ایک چیچک بھی ہے جو مشہور مرض ہے، کہتے ہیں کہ یہ ایک صاحب قدرت عورت ہے جس کے اختیار میں بچّوں کی موت وحیات ہے، اُس کا نام ادب سے لیتے ہیں بلکہ اُسے ماتا (ماں) کہتے ہیں، اُسکی کمی کو روٹھنے سے اور کثرت کو عنایتِ مادرانہ سے تعبیر کرتے ہیں، دربانوں اور باغبانوں کے ساتھ بیحد توقیر سے پیش آتے ہیں اس خیال سے کہ اُنھیں چیچک ماتا کے حضور میں تقرب حاصل ہے، جب تک چیچک بچّے پر "مہربان" ہے گھر میں سالم مسور اور گیہوں کی روٹی کے سوا کوئی چیز نہیں پکاتے، ہندی زبان میں چیچک کو ماتا سیتلا اور "سیتلا جی" کہتے ہیں، ماتا کے معنی ہیں ماں' اُسے مائی بھی کہتے ہیں اور سیتلا - یہی مفروضہ عورت ہے - جی کلمہ ہندی میں تعظیم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے فارسی میں لفظ" صاحب" آتا ہے - مثلاً ہندی میں مرزا صاحب کی جگہ مرزا جی کہیں گے، لیکن یہ لفظ ہندوؤں کے نام اور لقب کے آخر میں جتنا سجتا ہے اُتنا مسلمانوں کے نام اور لقب کے ساتھ زیب نہیں دیتا۔ مختصر یہ کہ دوالی کا تہوار سنہ الٰہی شمسی میں آبان کی چودہ تاریخ کو پڑتا ہے۔

جنم اشٹمی جنم اشٹمی ایک مشہور رات ہے جو سال میں ایک بار آتی ہے۔ جنم کے معنی تولّد، اشٹمی کے معنی آٹھویں روایت کرتے ہیں کہ اسی رات کو کنہیا پیدا ہوئے تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر سال اسی رات کو ہندو کنہیا کی مورتی کو جسے زمانہ قدیم سے انھوں نے پتھر یا پیتل یا سونے سے بنا کر اپنے گھروں میں رکھ چھوڑا ہے یا کنہیا کا جو بُت اُن کے مورثِ اعلیٰ سے میراث کی صورت میں اُن تک پہنچا ہے، باہر نکالتے ہیں اور ایک پاک صاف مقام پر جس کو دولتمند لوگ فرش وفروش سے آراستہ پیراستہ کرتے ہیں اور مفلس لوگ جس کی دیواروں کو گائے

کے گوبر سے لیپ کرکے پوتتے ہیں، ایک لکڑی کے تخت کے اوپر اُس کو رکھتے ہیں، اپنی حیثیت کے مطابق قسم قسم کی مٹھائیاں جو بالعموم ہندوستان کے لئے مخصوص ہیں اور خربوزہ کے بیج شکر میں بھون کر بالخصوص کانسے یا پیتل کے برتن میں رکھ کر اُس بُت کے سامنے قرینے سے سجاتے ہیں، پھر عورت اور مرد دونوں رات بھر کنہیا کی مدح میں کچھ کلام بڑی خوش الحانی اور جوش و خروش کے ساتھ گاتے ہیں اور بعضے فرطِ شوق سے ناچنے لگتے ہیں اور اس رات کی صبح کو شہر میں جابجا خوبصورت لڑکوں کو جن میں بعض ملیح اور سبز رنگ ہوتے ہیں، مردانہ نفیس لباس پہناتے ہیں اور جو لڑکے بیحد نازک اور صبیح ہوتے ہیں، انھیں زنانہ لباس اور زیورات سے سجاتے ہیں۔ مردانہ لباس والے کو کنہیا اور زنانہ لباس والے کو رادھا کے نام سے موسوم کرتے ہیں، کنہیا اور رادھا کو علیحدہ علیحدہ شاہانہ تخت پر بٹھاتے ہیں جسے لکڑی اور بید سے بنا کر آرائشی چیزوں سے مزین کرتے ہیں۔ پھر نقارہ اور نشان نیز دوسرے سازوں کے ساتھ اِس کے پیچھے پیچھے سواروں کا اور پیدل چلنے والوں کا ایک جم غفیر اُنھیں شہر کے باہر ایک مقررہ مقام پر لے جاتا ہے، جہاں ہر سال یہ رسم ادا کی جاتی ہے، اس شاہانہ جلوس کے بانی مبانی کی حیثیت کے مطابق اس جلوس میں کنہیا کے ہمراہ ہاتھی، گھوڑے اور سپاہی بھی ہوتے ہیں، جب مقررہ مقام پر پہنچ جاتے ہیں تو دوسرے کچھ لوگ کاغذ سے ایک دیو کا مجسمہ بنا کر اسے کنس کا نام دیتے ہیں کنس، کنہیا کا ماموں تھا، جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، وہ ایک عظیم الشان بادشاہ تھا، اُس کی ایک بہن کے بطن سے کنہیا اور دوسری سے "برق" پیدا ہوئی تھی، برق سے مراد یہی بجلی ہے جو آسمان پر کوندتی ہے منقول ہے کہ جب رعایا پر کنس کا ظلم و تشدد حد سے تجاوز کر گیا تو کنہیا اور کنس میں جنگِ عظیم واقع ہوئی اور ماموں اپنے بھانجے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ہندوؤں نے کنہیا کی اِس نیک کارگذاری کے صلے میں کہ اُس نے انھیں کنس کے ظالم ہاتھوں سے نجات اور خلاصی دلوائی تھی اور عادل بادشاہوں کی طرح اُن کے ساتھ مشفقانہ سلوک کیا یہ طے کیا کہ ہر سال کنہیا کے ہاتھوں کنس کی موت کی تمثیل پیش کی جائے۔

مسلمان اور جنم اشٹمی بعضے مسلمان بھی اُس مقررہ دن کو کنس کا مجسمہ بنا کر اُس کے پیٹ کو چاک کرتے ہیں، اور جو شہد اس میں بھرتے ہیں اُسے اُس کا خون سمجھ کر پیتے ہیں، عصر کے قریب کنس اور کنہیا کے درمیان جنگ ہوتی ہے کنس کی شکست کے بعد دسہرہ کے دن کی طرح تماشائیوں کا شور و غل لوگوں کو منتشر کر دیتا ہے۔ اور شام تک

اُسی طرح ہنگامہ برپا رہتا ہے، پھر لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں، اہلِ ثروت کے گھروں میں رہس شروع ہوتی ہے۔ رہس یہ ہے کہ برہمنوں کی طرح ایک جماعت لڑکوں کو، خواہ وہ ان کی اپنی اولاد ہو یا بھتیجی یا بھانجی ہو، یا اُن کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کی اولاد ہو، کنہیا اور رادھا کی شکل میں اور دوسری سکھیوں کو آراستہ پیراستہ کرکے، دولتمند ہندوؤں کے سامنے انعام حاصل کرنے کی امید میں نچواتے ہیں، لیکن اِن ناچنے والوں کا حال عام ناچنے والوں سے مختلف ہوتا ہے، کیونکہ مسند نشین ہندو اُن لڑکوں کی تعظیم میں جو کنہیا اور رادھا بنتے ہیں کھڑے ہو جاتے ہیں، اور جب تک یہ نہیں بیٹھتے وہ بھی نہیں بیٹھتے، چاہے ایک گھنٹہ گذر جائے یا انھیں سو بار اپنی جگہ سے اُٹھنا پڑے مگر اُن کے والدین کی کوئی تعظیم نہیں کرتا۔ وہ بے چارے نوکروں کی طرح ادب سے بیٹھے رہتے ہیں، بعضے ہندو ان مذکورہ لڑکوں کو مسند پر اپنے برابر جگہ دیتے ہیں، بعضے اُن کے لئے مسند خالی کر دیتے ہیں اور خود ایک طرف جا بیٹھتے ہیں، مگر سکھیوں کے لئے ہر شخص کھڑا نہیں ہوتا، رادھا کی سہیلیاں اور اُس کیساتھ کھیلنے والی حسین و جمیل لڑکیوں کو سکھی کہا جاتا ہے، مختصر یہ کہ جب برہمن کنہیا اور رادھا کو مع سکھیوں کے مجلس میں لاتے ہیں تو صاحبِ خانہ اور تمام حاضرین کھڑے ہو جاتے ہیں اور اُن دونوں کو بڑی عزت و احترام کیساتھ مسند پر بٹھاتے ہیں، اُن دونوں کے سامنے سکھیاں ساز کے ساتھ رقص و سرود کا آغاز کرتی ہیں، بعد ازیں مسند نشین عاشق و معشوق میں ظاہری کشیدگی ظہور میں آتی ہے۔ اور محبوبہ اپنے عاشق سے دور ہو جاتی ہے۔ وہ سکھیاں بیچ میں پڑ کر اُن میں صلح کرا دیتی ہیں، اور وہ دوبارہ ایک جگہ ناچنے لگتی ہیں، جب صبح ہوتی ہے تو کنہیا اور رادھا بھی اُٹھ کر سکھیوں کے ساتھ رقص میں شریک ہو جاتے ہیں، توت یا کسی دوسرے درخت کی شاخوں میں سے ایک نازک اور نرم شاخ کنہیا اپنے ہاتھ میں لیکر گیند زمین پر پھینک دیتا ہے اور ناچنے لگتا ہے، سکھیاں اُس کو رقص میں مشغول دیکھ کر وہ گیند اچکنے کا ارادہ کرتی ہیں، اور کنہیا اُس حالتِ رقص میں بھی اُس گیند کو اس جگہ سے ہٹاتا رہتا ہے، تاکہ سکھیاں اُسے اچک نہ سکیں، مگر کمال یہ ہے کہ اُن حرکات کے باوجود اصولِ رقص کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، اور یہ سب حرکات و سکنات ساز کے زیر و بم کے مطابق عمل میں آتی ہیں، اس موقع پر تمام حاضرینِ جلسہ کھڑے رہتے ہیں۔

مسلمان اور رام لیلا | اس جلسہ میں جو شریک ہوتے ہیں اُن کی تین صورتیں ہوتی ہیں، اگر وہ مفلس ہے تو اُسے

۴۳ 38075
Date

بہرحال اُس مجلس میں آخر تک کھڑا رہنا ہی ہے، لیکن اگر صاحبِ عزت ہے تو یا وہ خود بخود آخر آ کر کھڑا ہوتا ہی یا صاحبِ خانہ کی خاطر، ایسی صورت میں صاحبِ خانہ اُسے بٹھا دیتا ہے، بہرحال تماشا دیکھنے اور رقص و سرود کا لطف اُٹھانے کے علاوہ مسلمانوں کا اُس دن سے اور کوئی تعلق نہیں ہے، یہ دن الٰہی کے ماہ امرداد میں پڑتا ہے۔

بسنت | بسنت کا تہوار الٰہی سنہ کے ماہ دے کی بیس تاریخ کو ہوتا ہے، اور یہ وہ دن ہے جو گرمیوں کی آمد اور جاڑوں کی رخصت کا پتہ دیتا ہے، اس دن کی آمد سے پانچ روز قبل گانے والے مٹی کے برتن میں سبز خوشے اور گلِ سرشف ڈال کے روزانہ کسی بزرگ کے مزار پر جاتے ہیں، اور بسنت کی تہنیت نیز صاحبِ مزار کی مدح میں اشعار گاتے ہیں، ہندوؤں اور مسلمانوں کی ٹولیاں تماشے کیلئے ان کے ساتھ نکلتی ہیں، اسی طرح پری پیکر لولی، بھڑکیلے لباسوں میں ملبوس ہو کر قبروں پر جا کر رقص کرتے ہیں، ہر شہر کے بزرگوں کے مزاروں پر جا کر مطربوں اور لولیوں کے رقص و سرود کرنے کا مقصد تمام سال کے بابرکت گذر جانے کا شکریہ ادا کرنا ہوتا ہے، یہ ضروری ہے کہ اس دن تمام گانے والوں اور ناچنے والوں کا نیز تمام ہندوؤں کا لباس زرد رنگ کا ہو، لیکن شاہجہان آباد اور اس کے اطراف کے کچھ لوگ اب پیلے لباس کو عار سمجھتے ہیں، البتہ بعض لولی پہنتے ہیں، اور کچھ لوگ چھڑی اور چادر کو زرد رنگ لیتے ہیں، لیکن پنجاب کے شہروں میں عورت اور مرد کیا ہندو اور کیا بازاری اور نوکر پیشہ مسلمان سب کے سب پیلے لباس پہنتے ہیں، اور ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو کر شہر کے باہر جاتے ہیں اور کاغذ کے ہزاروں پیلے پتنگ زرد ڈوری سے ہوا میں اُڑاتے ہیں، پنجاب کے شہروں میں سے کوئی بھی شہر ایسا نہیں ہے جہاں یہ تماشہ نہ ہوتا ہو، حالانکہ بہت زمانہ سے پنجاب کا علاقہ شاہی ملازموں کے قبضہ اقتدار سے نکل گیا ہے، اور وہ تمام ملک اور شاہ جہاں آباد کے قرب و جوار کے دوسرے شہر سکھوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں جن کا ذکر نانک شاہ کے ضمن میں ہو چکا ہے۔

ہولی | یہ ماہ بہمن کا آخری دن ہوتا ہے، جب وہ دن گذر جاتا ہے تو جا بجا لکڑیوں کے انباروں میں آگ لگائی جاتی ہے تاکہ صبح تک وہ جل کر خاک ہو جائیں اور اسے ہولی جلانا کہتے ہیں، ہولی سے دو مہینے پہلے ہی ہندو لوگ دف بجانا، گیت گانا اور رقص کرنا شروع کر دیتے ہیں، اور جب ایک مہینہ باقی رہ جاتا ہے تو ان باتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اور جب صرف پندرہ دن باقی رہ جاتے ہیں تو ڈھاک اور ٹیسو کے پھولوں کو پانی سے

بھرے ہوئے مٹکوں اور دیگوں میں ڈالکر چولہوں پر چڑھا دیتے ہیں تاکہ پانی کے اُبلنے سے اُن پھولوں کا رنگ کھنچ کر پانی کو زرد کر دے، پھر اس پانی کو اُن برتنوں سے چھوٹے چھوٹے برتنوں میں نکال لیتے ہیں، اُس راستے سے گذرنے والے ہر شخص کے سر پر چاہے وہ آشنا ہو یا بیگانہ (بشرطیکہ ہندو ہو) رنگ ڈالتے ہیں یہاں تک کہ اس کا تمام لباس رنگین ہو جاتا ہے، اور اونچی آواز سے کہتے ہیں کہ یہ شخص ہولی کا بھڑوا (قرمساق) ہے اور وہ شخص بھی اُن لوگوں کیلئے یہی الفاظ استعمال کرتا ہے، اور دوسری شے جسے گلال کہتے ہیں وہ رنگ ڈالنے کے بعد ہاتھ میں بھر کر اس آدمی کے آگے پیچھے سے اُس کے مُنہ پر مل دیتے ہیں، اسی طرح عبیر بھی ایک چیز ہوتی ہے جسکو گلال لگانے کے بعد آدمی کے مُنہ پر چھڑکتے ہیں۔ چھوٹے بچے اور بعضے جوان لوگ بھی چمڑے اور پیتل کی بنی ہوئی پچکاری کو جسے فارسی میں "آب وزدک" کہتے ہیں، ہاتھ میں لیکر راستوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کسی ہندو کو آتا ہوا دیکھ کر دور سے آیئے جی، آیئے جی، کہنے لگتے ہیں، پھر اُس کے کپڑوں کو دور سے ہی رنگین کر دیتے ہیں اور بلند آواز سے کہتے ہیں۔ بھڑوا ہے بے، بھڑوا ہے بے، وہ شخص اس لفظ سے بُرا نہیں مانتا چاہے کتنا ہی باعزت کیوں نہ ہو، اور وہ لڑکے کم قدر بازاریوں کے ہوں، ٹیسو رائے، جو دسہرہ کے دن بچوں کا ایک کھیل ہوتا ہے، اسی سے بناتے ہیں، تن بھی ہندوستان کا ایک درخت ہے، اور گلال، خشک سنگھاڑوں کے آٹے کو رنگین کر کے بنایا جاتا ہے، اور سنگھاڑہ ہندوستان میں بیلوں دار ایک پودے سے پیدا ہوتا ہے، اُس کو کچا یا اُبال کر کھاتے ہیں، وہ جسامت میں بندوق کے چھوٹے گولہ کے برابر ہوتا ہے، اور اس کے اطراف میں کانٹے ہوتے ہیں، یہ پانی میں پیدا ہوتا ہے، خشکی میں نہیں، وہ پانی چاہے بارش کا ہو یا کسی تالاب میں جمع کیا گیا ہو، اس کا درخت دوسرے بیل دار درختوں کی طرح نہیں ہے بلکہ انگور اور چُنار کی طرح پھیلتا ہے، پچکاری سے مراد پیتل کی وہ نالکی ہے جس میں زرد رنگ کا پانی بھر کر اور ایک آلہ سے جو اس میں لگا ہوتا ہے، حرکت دیکر دُور سے لوگوں پر چھڑکتے ہیں، اور چمڑے سے بھی چھڑکتے ہیں، اور صاحب مقدور لوگ قمقموں میں گلال بھر کر خوش اندام نوجوان عورتوں کی طرف پھینکتے ہیں، قمقمہ انار کے برابر ایک گول چیز ہوتی ہے جسکو کاغذ سے بھی باریک کانچ سے بناتے ہیں تاکہ جس کسی کو بھی لگے اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچے، یہ قمقمے امیر زادے پری چہرہ عورتوں کے سینہ بند پر مارتے ہیں، اور دولتمند لوگ حوضوں اور گڑھوں میں بھی رنگین پانی بھرتے ہیں جن کی گہرائی قدِ آدم سے بھی زیادہ ہوتی ہے اُس میں لوگوں کو

غوطہ دیدیتے ہیں خصوصاً ماہ پارہ ٹولیوں اور ان کے سازندوں سے یہ مذاق کیا جاتا ہے۔

جواہر سنگھ بن سورج مل جاٹ کے وقت میں جس کی ظاہری جاہ وحشمت نے بڑے بڑے امیروں کی نیند حرام کردی تھی، متھرا کے بازاروں میں اتنا گلال ہوتا تھا کہ راستہ چلنے والے زانوؤں تک اس میں دھنس جاتے تھے، سورج مل، ہندوستانی قوم جاٹ کے ایک صاحب شان وشوکت راجہ کا نام تھا، جس نے اپنی تلوار کے زور سے چند کروڑ روپیہ کی آمدنی کے ملک کو فتح کرکے اپنے قبضے میں کرلیا تھا، اور پختہ اور خام جنگی قلعے تعمیر کرائے تھے، اس کا خزانہ بادشاہوں کے خزانوں پر غالب تھا۔

بہرحال ہندو لوگ دو مہینہ تک روزانہ رنگین لباس پہن کر ہزاروں آدمیوں کا غول زرد رنگ سے بھرے ہوئے گھڑے اور پچکاریاں لے کر اور گلال اور عبیر کمر سے باندھ کر دف بجاتے اور گیت گاتے ہر شہر کے کوچہ و بازار سے نکلتے ہیں، لیکن ہولی کا یہ طریقہ برج کے باشندوں کا ہے جو کنہیا کا وطن اور مولد تھا، ہندوؤں کے نزدیک ہولی کے گیت گانے، دف بجانے اور ناچنے میں برج کے باشندوں سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہے سب لوگ اپنے کو اُن کا پیرو سمجھتے ہیں، برج کی عورتیں بھی جمع ہوکر گانے گاتی ہیں، اگر راستے میں کسی نوجوان عورت کا اُس غول سے آمنا سامنا ہوجاتا ہے تو اُسے گھیر کر چاروں طرف سے اس کے سینے اور ران اور جسم کے دوسرے اعضا کی تعریف میں ہندی میں اشعار گانے لگتے ہیں، اور ناچتے ہیں، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے وہ عورت بھی اس گیت کے ساتھ رقص کرنے لگتی ہیں، اس زمانے میں دن رات بہروپ بھرے جاتے ہیں۔ کبھی خوبصورت نازک اندام لڑکے، عورتوں کا لباس اور زیورات پہنتے ہیں، اور کبھی عورتوں کو مردانہ لباس پہناتے ہیں، خصوصاً حرم سرا کی عورتیں مغل اور فرنگی مردوں کا روپ بھرتی ہیں، اور فارسی کے کچھ الفاظ مغلوں کے لہجے میں یا مصنوعی انگریزی الفاظ جو اس زبان اور لہجے سے ملتے جلتے معلوم ہوں، بولتی ہیں، کبھی ایک سبزی فروش بنتی ہے، دوسری اس کی بیوی، کبھی ایک جوگی بنتی ہے اور دوسری جوگن، جوگیوں کے بہروپ کے علاوہ بندر، کُتا، بھیڑیا، گائے، ریچھ، شیر اور دوسرے جانوروں کی شکلیں اختیار کرکے آدمیوں کا تعاقب کرتی ہیں، اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ گاؤں اور شہر کے نووارد بچے اور جوان ریچھوں اور شیروں کی مصنوعی شکلوں کو اصلی سمجھ کر ڈر کے مارے زمین پر لوٹنے لگتے ہیں اور مدد کیلئے چلاتے ہیں، افغانوں اور بعض

متعصب مسلمانوں کے علاوہ سبھی مسلمان دل کھول کر ہولی میں ہندوؤں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں، نیچ لوگ، نیچوں کے ساتھ، دولتمند دولتمندوں کے ساتھ اور جوان جوانوں کے ساتھ مل کر ہولی مناتے ہیں، جب ہولی جلانے میں تین دن باقی رہ جاتے ہیں، زرد رنگ چھوڑ کر نالے کے کیچڑ عام طور پر بلا کسی تفریق کے اُچھالتے ہیں، چاہے اسکی زد میں ہندو ہو یا مسلمان، رذیل ہو یا شریف (بشرطیکہ وہ صاحب ثروت نہ ہو) کیونکہ صاحب مقدور اپنے خدم وحشم کے ساتھ باہر نکلتا ہے، چاہے اُس کا لباس رنگین ہو لیکن اُسے آلودہ کرنے کی انھیں ہمت نہیں ہوتی، باقی ہر راہ گیر کے سر اور صورت کو آلودہ کر دیتے ہیں۔ لیکن جس وقت فوج کا غول اس امیر کے دروازہ پر پہنچ جاتا ہے تو چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان بلکہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، اس کے علاوہ اس کے سامنے کوئی چارہ نہیں ہوتا کہ اُنکو نقدی دے دلاکر انھیں صرف رنگ پھینکنے پر راضی کرلے، اور دکن میں حاکموں اور رئیسوں کو سوار کرنے کیلئے گدھے لائے جاتے ہیں، اگر اس رئیس نے انھیں منشاء کے مطابق زرِنقد دیدیا تو خیر ورنہ اُسے گھسیٹ گھسیٹ کرلاتے ہیں اور گدھے پر سوار کر دیتے ہیں، ہولی کے دنوں کی فحش باتیں معتبر نہیں سمجھی جاتیں، ہر شخص دوسرے کو جو جی چاہتا ہے کہہ ڈالتا ہے، وہ اشخاص جن کی طبیعت اس قسم کی مکروہات کو پسند نہیں کرتی، اپنے گھروں کے دروازے بند کرکے اندر بیٹھ رہتے ہیں، اور ہرگز باہر نہیں نکلتے مگر اب انگریزوں کی حکومت میں یہ قدغن ہوگئی ہے کہ ہولی کا رنگ مسلمانوں پر نہ پھینکا جائے، بہرحال اس زمانے میں ہر مسلمان کے گھر پر روزانہ لولیوں کا رقص ہوتا ہے اور رات کو اس میں بہروپوں اور نقلوں کا مزید اضافہ کر دیا جاتا ہے،

نواب آصف الدولہ مرحوم کے زمانے میں اس شہر (لکھنؤ) میں بڑی بے تکلفی سے ہولی کا جشن منایا جاتا تھا تمام دن رنگ اور گلال و عبیر اُڑتا تھا اور رات کو لولیوں سے اختلاط ہوتا تھا، دریا کے کنارے ایسی روشنی اور آتشبازی ہوتی تھی کہ اس تماشہ کے لئے قطب ستارہ بھی حرکت میں آجاتا تھا۔ بندگانِ عالی وزیر الممالک یمین الدولہ ناظم الملک نواب سعادت علی خاں بہادر مبارز جنگ کی مسند نشینی کے ابتدائی برسوں میں بھی ہولی کا ہنگامہ گرم ہوتا تھا، لاکھوں روپے نقد اور مرصع جواہر نگار زیور اور قیمتی لباس لولی عورتوں کو بطور بخشش مرحمت ہوتے تھے، اعلیٰ حضرت کی مجلس میں اکثر ایک ہزار نفر سنجاب اور زردوزی کے بنے ہوئے پُر تکلف رنگین لباسوں

یں ملبوس ہو کر نقش دیوار کے مانند کھڑے رہتے تھے، وہ لوگ بھی جن کو اس مجلس میں حاضر ہونے اور بیٹھنے کا حکم حاصل تھا، رنگین لباس زیب تن کرکے حضور پُر نور کے سامنے آتے تھے، کیا کھڑے رہنے والے کیا بیٹھنے والے سب لوگوں کو سرکار دولتمدار کی طرف سے کپڑے مرحمت ہوتے تھے، لیکن چونکہ یہ عمل شانِ اسلام کے خلاف تھا، اس بنا پر بہت دنوں سے سرکارِ عالی نے اسے ترک کر دیا ہے اگرچہ نہ صرف نوکر پیشہ رذیل بلکہ تمام ہندو اور مسلمان، چند متقی لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب تعلیم یافتہ صاحب تمیز اور اہلِ متانت تک ہولی کے دلوں میں خودداری اور انسانیت کو خیرباد کہہ کر ایک دوسرے پر زرد رنگ اُچھالتے اور ہر قسم کا بہروپ بھرتے ہیں، پھر ہر راہ رو کی خواہ وہ آشنا ہو یا بیگانہ، بے صرفہ گالی گلوج اور فحاشی سے تواضع کرتے ہیں، اور بعض صاحب مقدور لوگ اپنے گھروں میں یہ حرکتیں کرتے ہیں، لیکن کایتوں کا فرقہ، جن کے حالات کے متعلق پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ ہندوؤں کے باقی تمام فرقوں سے زیادہ ان چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں، بایں ریش وفش جو وہ رکھتے ہیں، شراب پی کر مستی کے عالم میں بہروپ بھرتے ہیں، پھر فارسی کی عبارتیں، گلستاں کے اشعار یا ولی دکھنی کے ریختہ کی غزلیں گا گا کر پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے کی مجلس میں موسیقی پر بھی نوازش فرماتے ہیں، چاہے اس فن سے دُور کا بھی علاقہ نہیں رکھتے، پھر خود ہی بے خودی کے عالم میں اپنی صورت پر فریفتہ ہو کر فرش پر لوٹنے لگتے ہیں، اور اس حالت میں بھی لکنت کے ساتھ، جو نشے کی زیادتی کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ گانا نیم بسمل کی طرح تھوڑا تھوڑا زبان سے کہتے رہتے ہیں، لیکن یہ ہر شخص کا حال نہیں ہوتا۔ یقیناً بعض لوگ اس سے شرم محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ شاذ کے ذیل میں ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق ان دنوں وہ لوگ بہت زیادہ روپیہ صرف کرتے ہیں، اس سے شاگرد پیشہ اور ہمسایوں کو بھی فیض پہنچتا ہے۔ چونکہ روزِ اول ہی سے اس فرقے کے خمیر میں جواں مردی، مروّت، سخاوت اور احسان شامل ہے، یہ روپیہ صرف کرنے میں، خواہ وہ کسی طریق سے ہو، اور دوسرے انسانوں پر اپنی برتری جتانے میں اور مسلمان امرا و شرفا سے اپنی ہمسری کا اظہار کرنے میں اور اپنے ہم عصروں کے سامنے تفوق دکھانے کے لئے خرچ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

(باقی)